# قرآن اور حدیث

## منکرین حدیث کے مسلک پر ایک ناقدانہ نظر

(۲)

اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ہمیشہ کے لئے ہے اور جب ایسا ہے تو وہ تمام آیات اور احکام بھی ہمیشہ کے لئے ہیں جن میں آنحضرت کے احکام کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہے، آپ کی ذات کو اسوۂ حسنہ بتایا گیا ہے، آپ کے اتباع کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ کہا گیا ہے، اور ہدایت کا دامن آپ کی پیروی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا (۲۴ : ۷)۔ رضائے الٰہی حاصل کرنے اور ہدایت پانے کی ضرورت جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عہد لوگوں کو تھی اسی طرح آج کے لوگوں کو بھی ہے، اور قیامت تک جو لوگ آئیں گے ان سب کو رہے گی۔ پس جب یہ دونوں چیزیں رسول اللہ کے اتباع اور آپ کے نمونۂ حیات کی تقلید کے ساتھ وابستہ ہیں تو لازم ہوا کہ سیرت نبوی کے وہ پاک نمونے اور زبان وحی ترجمان کے وہ مقدس احکام بھی قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہیں جن سے رسول اکرم کے ہم عہد لوگوں نے ہدایت پائی تھی، ورنہ بعد کی نسلوں کے لئے ہدایت ناقص رہ جاتی۔

میں نے "ہدایت ناقص رہ جائیگی" کے الفاظ بہت ہی نرم استعمال کیے تنزیل کتب کے ساتھ رسالت کا جو ناقابل انقطاع رشتہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے، اور اس باب میں اللہ تعالیٰ کی جو غیر متبدل سنت ابتدا سے چلی آ رہی ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے تو مجھے کہنا چاہیے تھا کہ اگر اسوۂ رسول باقی نہ رہتا، اگر رسول اللہ کے احکام باقی نہ رہتے، اگر ہدایت کا وہ پاک چشمہ بند ہو جاتا جو رسول اللہ کی سیرت میں تھا، تو محض کتاب اللہ سے دنیا کی ہدایت ہی نہ ہو سکتی۔ اس لئے کہ رسالت کے آثار مٹ جانے کے

بعد کتاب اللہ کا باقی رہجانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے رسول کے بغیر تنہا کتاب اللہ کا نازل ہونا۔ اگر کتاب کی تنزیل کے بعد آثار رسالت کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہے تو سرے سے تنزیل کے لئے رسالت ہی کی ضرورت نہیں ہے یہ خدا کی حکمت پر کھلا ہوا طعن ہے۔ اور اگر تنزیل کے ساتھ رسالت کا ہونا لازم ہے تو یقیناً اس کے ساتھ آثار رسالت کا رہنا بھی لازم ہے۔ بغیر آثار رسالت کے تنہا کتاب اللہ موجب ہدایت نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ آپ بآسانی سمجھ سکتے ہیں اگر آثار رسالت محو ہو جاتے تو مسلمانوں کا قرآن قوم موسیٰ کا سا ہو جاتا جن کے پاس بجز افسانوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ لوگ کہتے کہ جس شخص پر تمہارے قول کے مطابق یہ کتاب نازل ہوی ہے اس کے حالات تو بتاؤ کہ ہم ان کو جانچ کر دیکھیں کہ آیا فی الواقع وہ رسول خدا ہونے کے قابل تھا بھی یا نہیں۔ مگر ہم انہیں کچھ نہ بتا سکتے۔ لوگ پوچھتے کہ تمہارے پاس قرآن کے دعوی کی تائید میں کونسی ایسی خارجی شہادت ہے جس سے تمہارے نبی کی نبوت ثابت ہو سکتی ہو؟ مگر ہم کوئی شہادت نہ پیش کر سکتے۔ ہم کو خود یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ کب اور کن حالات میں قرآن نازل ہوا؟ کس طرح اس نے دلوں کو مسخر کیا؟ کس طرح اس نے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا؟ کس طرح رسول اللہ کی شخصیت اور آپ کی پاک زندگی کو دیکھ کر لوگ فوج در فوج ایمان لائے؟ کس طرح آپ نے نفوس کا تزکیہ کیا، حکمت کی تعلیم دی اور آیات الٰہی کی تلاوت سے معرفت حق کا نور پھیلایا؟ کس طرح آپ نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں تنظیم اور اصلاح کا وہ زبردست کام انجام دیا اور شریعت کا وہ ہمہ گیر اور حکیمانہ ضابطہ بنایا جو محض انسانی عقل کے بس کا کام نہیں ہے، اور جو اس بات کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ آپ حقیقت میں اللہ کے رسول تھے؟ یہی نہیں بلکہ اگر وہ روایات نہ ہوتیں جو منکرین حدیث کے نزدیک دریا برد کر دینے کے قابل ہیں تو ہم قرآن کی سند اس کے لانے والے تک نہ پہونچا سکتے، ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ ہوتا کہ یہ قرآن حقیقت میں وہی ہے اور اسی عبارت میں ہے جس میں رسول اللہ پر نازل ہوا تھا۔ ہماری اس کتاب کی حیثیت وہی رہ جاتی جو ژند اوستا، گیتا، ویدوں اور بودھ مذہب کی کتابوں کی حیثیت ہے۔

اسی طرح ہماری مذہبی زندگی کے جتنے اعمال اور جتنے اصول و قوانین ہیں سب کے سب بے سند ہوتے نماز روزہ حج زکوٰۃ اور دوسرے اعمال جس صورت میں ادا کئے جاتے ہیں ان کے متعلق ہم نہ بتا سکتے اور خود نہ جانتے کہ یہ سب رسول اللہ کے مقرر کئے ہوئے طریقوں پر ہیں منکرین حدیث کہتے ہیں کہ ان سب اعمال کے لئے "سنت متواترہ" کافی ہے۔ مگر مدون اور مستند روایات کی غیر موجودگی میں اس "سنت متواترہ" کی حیثیت بجز اس کے اور کیا ہوتی کہ اگلوں سے پچھلوں تک نسلاً بعد نسل ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے؟ اس قسم کی متواتر سنتیں تو ہندوؤں بودھوں پارسیوں اور دوسری قوموں میں بھی ہیں۔ وہ سب بھی یہی کہتے ہیں کہ جو عبادتیں ہم کرتے ہیں اور جو رسمیں ہم میں جاری ہیں وہ بزرگوں سے یونہی چلی آرہی ہیں۔ مگر کیا آج ان کی "سنت متواترہ" پر دنیا اور خود ان قوموں کے روشن خیال لوگوں میں یہ شک نہیں کیا جاتا کہ خدا جانے ان طریقوں کی اصل کیا تھی اور امتداد زمانہ کے ساتھ وہ کس طرح بدلتے چلے گئے؟ کیا ان تمام طریقوں پر آج رسوم پرستی (Ritualism) کی پھبتی نہیں اڑائی جاتی؟ اگر کوئی شخص ان میں کوئی تغیر کرکے کوئی نئی بدعت ایجاد کرنا چاہے تو کیا ان کے پاس اس بدعت کے خلاف کوئی حجت بجز اس ایک دلیل کے موجود ہے کہ جو کچھ باپ دادا کرتے چلے آرہے ہیں اس میں تغیر نہیں ہوسکتا؟ پھر اگر منکرین حدیث کی خواہش کے مطابق ہمارے ہاں بھی ایسی مسلسل مستند اور مرتب روایات نہ ہوتیں جو ہمارے عہد سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک ہر واقعہ یا ہر قول کی سند ہم پہونچا دیتی ہیں، اور اگر ہمارے پاس بھی صرف عمل متواتر ہی باقی رہ جاتا جس کو "حق گو" صاحب "سنت متواترہ" سے تعبیر فرماتے ہیں، تو ہمارے مذہبی اعمال اور معتقدات کا حال ان طریقوں اور ان اوہام سے کچھ بھی مختلف نہ ہوتا جو ہندوؤں اور دوسری قوموں میں پائے جاتے ہیں، اور جن کو "رسوم" اور "مذہبی فسانوں" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غور کیجئے، یہ اسلام کے لئے قوت اور استحکام کا سبب ہوتا یا کمزوری و نااستواری کا؟

اس بحث سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول کا رہنا قطعاً ضروری اور ناگزیر ہے۔

اب اس سوال کی طرف آئیے کہ سنت رسول کے ہم تک پہنچنے کی صورت کیا ہے اور کیا ہوسکتی ہے:
یہ بالکل ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد سے رحلت تک تقریباً ربع صدی کا جو زمانہ بسر کیا وہ محض قرآن پڑھنے اور سنانے میں بسر نہیں ہوا ہوگا، بلکہ آپ تلاوت آیات کے علاوہ بھی شب و روز اپنے دین کی تبلیغ اور اپنے گمراہ ابنائے نوع کی تعلیم و تلقین، اور اپنی عبادات اپنے اخلاق اور اپنے اعمال حسنہ کا نمونہ پیش کرکے لوگوں کی تربیت اور اصلاح میں مشغول رہتے ہوں گے، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے یَتْلُوا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۲: ۱۵۱) یہ معلمانہ زندگی ایسی شدید مصروفیت میں بسر ہوتی تھی کہ آپ کو اپنے آرام کا ذرہ برابر خیال نہ تھا۔ ہر لمحہ یا تو عبادت میں بسر ہوتا تھا، یا وعظ و نصیحت، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس میں حتیٰ کہ بار بار اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا تھا کہ آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں؟ اپنے آپ کو کیوں ہلاک کئے ڈالتے ہیں؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی سرگرم معلمانہ زندگی میں آیات قرآنی کے سوا کوئی بات بھی آپ کی زبان سے ایسی نہ نکلتی تھی جو یاد رکھنے اور بیان کرنے کے قابل ہوتی؟ کوئی کام بھی آپ کی زندگی کا ایسا نہ تھا جس کو لوگ اپنے لئے نمونہ سمجھتے اور دوسروں کو اس پاکیزہ نمونے کی تقلید کا مشورہ دیتے؟ آپ کے اقوال و اعمال کے متعلق تو اہل ایمان کا اعتقاد تھا اور قرآن نے بھی ان کو یہی اعتقاد رکھنے کا حکم دیا تھا کہ آپ کا ہر ارشاد برحق ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (۵۳: ۱) آپ کا ہر عمل واجب التقلید ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے تو مسلمان یقیناً آنحضرت کے ہر ارشاد کو دل سے سنتے ہوں گے، ہر عمل پر نگاہ رکھتے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کے سامنے حضور کے اقوال و اعمال کے چرچے کرتے ہوں گے۔ جہاں رسالت یا کسی قسم کے تقدس کا اعتقاد نہیں ہوتا، وہاں بھی بڑے لوگوں کی باتوں اور ان کی حرکات و سکنات پر لوگ نظر رکھتے ہیں، اور ان کے اقوال و اعمال کے چرچے کیا کرتے ہیں۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ صحابہ کرام جس مقدس انسان کو خدا کا رسول اور اسلام کا مکمل نمونہ سمجھتے تھے، اس سے صرف قرآن لے لیتے اور اس کے

دوسرے تمام ارشادات اور اس کے تمام اعمال کی طرف سے کان اور آنکھیں بند کر لیتے۔

اس زمانہ میں فوٹوگرافی کے آلات نہ تھے کہ آنحضرت کی تمام حرکات وسکنات کے فلم لے لئے جاتے نہ آواز بھرنے کے آلات تھے کہ آپ کی تقریروں کے رکارڈ بھر کر رکھ لئے جاتے نہ مکہ و مدینہ سے اخبارات نکلتے تھے کہ روزانہ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں اور آپ کے اعمال حیات کی رپورٹیں شایع ہوتیں۔ ضبط اور نقل کا ذریعہ جو کچھ بھی تھا وہ لوگوں کا حافظہ اور زبانیں تھیں۔ قدیم زمانہ میں نہ صرف عرب بلکہ تمام قوموں کے پاس واقعات کو محفوظ رکھنے اور بعد کی نسلوں تک پہونچانے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ مگر عرب خصوصیت کے ساتھ اپنے حافظہ اور صحت نقل میں ممتاز تھے، اور ان کی یہ خصوصیت ایسی تھی کہ شاید فون کریمر کو بھی اس سے انکار نہ ہو۔ جو قوم ایام العرب، کلام جاہلیت، انساب قبائل، حتی کہ اونٹوں اور گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد کرتی ہو، اور اپنی اولاد کو یاد کراتی ہو، اس سے بعید تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور آپ کے ارشادات کو یاد نہ رکھتی، اور آنے والی نسلوں تک انہیں منتقل نہ کرتی۔

پھر جب آنحضرت صلعم کا وصال ہوا تو فطری بات تھی کہ لوگوں میں آپ کے احوال و اقوال کی جستجو اور زیادہ بڑھ جاتی۔ جو لوگ حضور کی زیارت اور صحبت سے محروم رہ گئے تھے، ان میں یہ شوق پیدا ہونا بالکل فطری امر تھا کہ آپ کے صحبت یافتہ بزرگوں سے آپ کے ارشادات اور آپ کے حالات پوچھیں۔ ہم خود دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی پیرمرد ایسا نکل آتا ہے جس نے پچھلی صدی کے اکابر میں سے کسی بڑے نامور شخص کی صحبت پائی ہو تو لوگ اس کے پاس جاتے ہیں اور اس کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے شمالی ہندوستان سے حیدرآباد کا سفر صرف اس غرض کے لئے کیا کہ اگر یہاں کوئی پرانا آدمی ایسا مل جائے جس نے سید جمال الدین افغانی کی صحبت پائی ہو تو اس سے سید صاحب کے حالات معلوم کریں۔ یہ معاملہ جب معمولی انسانوں کے ساتھ پیش آتا ہے تو کیا یہ ممکن تھا کہ خدا کے سب سے بڑے پیغمبر اور دنیا کے سب سے بڑے معلم کی وفات کے بعد مسلمانوں میں اس کے حالات پوچھنے، اس کے ارشادات سے مستفید ہونے کی خواہش

نہ ہوتی؟ کیا تاریخ کے ان واقعات میں کوئی استبعاد ہے کہ لوگ جہاں کسی صحابی کی خبر پالیتے وہاں سینکڑوں میل سے سفر کرکے جاتے اور آنحضرت صلعم کے حالات پوچھتے یہی معاملہ یقیناً صحابہ کے بعد تابعین کے ساتھ اور تابعین کے بعد تبع تابعین کے ساتھ پیش آیا ہوگا - کم از کم دو صدی تک سماعت حدیث اور نقل حدیث کا غیر معمولی شغف مسلمانوں میں پایا جانا یقینی ہے اور یہ بات نہ صرف قیاس کے عین مطابق ہے بلکہ تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔ منکرین حدیث قیاس عقلی سے تو کام ہی نہیں لیتے۔ رہی تاریخ تو وہ اس کے صرف اسی حصے کو مانتے ہیں جس سے ان کے مسلک کی تائید نکلتی ہو۔ اس کے سوا تاریخ کی جتنی شہادتیں ہیں سب ان کے نزدیک نامعتبر ہیں لیکن جن لوگوں میں انکار حدیث کے لئے ضد پیدا نہیں ہوئی ہے یقیناً وہ یہ بات تسلیم کریں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست شخصیت اور آپ کی تابناک پیغمبرانہ زندگی اتنی ناقابل اعتنا تو نہ تھی کہ مسلمانوں میں کم از کم دو سو برس تک بھی آپ کے حالات معلوم کرنے اور آپ کے ارشادات سننے کا عام شوق نہ رہتا۔ اس سے انکار کرنے کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ قرون اولیٰ کے لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اثر نہ تھا، اور وہ لوگ بھی آپ کی جانب کوئی توجہ نہ رکھتے تھے جو آپ کی رسالت کے قائل ہو چکے تھے۔ منکرین حدیث کو اختیار ہے کہ رسول اللہ کی ذات اور ان لوگوں کے متعلق جو آپ سے قریب تر تھے، یہ یا اس سے بھی زیادہ بری کوئی رائے قائم کریں، مگر ہم سمجھتے ہیں نہ کوئی مسلمان تو کجا، اسلامی تاریخ اور اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والا کوئی منصف مزاج غیر مسلم بھی اس رائے کو صحیح باور نہ کریگا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ عہد رسالت سے دور ہونے کے بعد مسلمانوں میں بیرونی اثرات بھی داخل ہونے لگے تھے اور یہ اثرات بیشتر وہ لوگ اپنے ساتھ لائے تھے جنہوں نے عراق، ایران، شام اور مصر میں مذہب اسلام قبول کر لیا تھا، مگر قدیم مذاہب کے تخیلات ان کے ذہن سے محو نہ ہوئے تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا تھا جو اپنے دل سے گھڑ کر باتیں نکالتا تھا اور محض لوگوں پر اثر قائم کرنے کے لئے ان باتوں کو

رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ یہ دونوں باتیں تاریخ سے بھی ثابت ہیں، اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ مگر کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں سب کے سب ایسے ہی لوگ تھے؟ سب جھوٹے اور بے ایمان تھے؟ سب ایسے منافق تھے کہ اُسی ہستی پر بہتان گھڑتے جس کی رسالت پر وہ دن بھر میں کم از کم پانچ مرتبہ گواہی دیا کرتے تھے؟ سب ایسے دشمن دین تھے کہ دنیا بھر کی خرافات لے کر رسول اللہ کے نام سے دین میں داخل کرتے اور اس کی جڑیں کاٹتے؟ یہ نتیجہ نہ عقلاً نکالا جا سکتا ہے اور نہ تاریخ اس کی تائید کرتی ہے۔ اور جب یہ صحیح نہیں ہے تو لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ پہلی صدی کے آخر سے حدیث کے ذخیرے میں ایک حصہ ایسی روایات کا بھی داخل ہونے لگا تھا جو موضوع اور بعد کی نسلوں کو جو احادیث پہنچیں ان میں صحیح اور غلط اور مشکوک سب قسم کی حدیثیں ملی جلی تھیں۔

کھرے اور کھوٹے کی اس آمیزش کے بعد صحیح طریق کار کیا تھا؟ کیا یہ صحیح ہو سکتا تھا کہ آمیزش کی بنا پر صحیح اور غلط سب کو ایک ساتھ رد کر دیا جاتا، اور بعد کے مسلمان رسالت سے اپنا تعلق یکسر منقطع کر لیتے؟ منکرین حدیث اس کو ایک آسان بات سمجھتے ہیں۔ مگر جو قرآن پر ایمان رکھنے والے رسول اللہ کی ذات کو اسوہ حسنہ سمجھتے تھے اور جن کے نزدیک حضور کی پیروی کے بغیر ہدایت کا میسر ہونا ممکن نہ تھا، ان کے لئے ایسا کرنا بہت دشوار تھا، اتنا دشوار جتنا کسی کے لئے برضا و رغبت آگ میں کود پڑنا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے سب کو رد کر دینے کی بہ نسبت پہاڑ کھود کر جواہر نکالنے کی مشقت کو زیادہ آسان سمجھا۔ رسالت سے اپنا اور مسلمانوں کا تعلق برقرار رکھنے کے لئے شب و روز محنتیں کیں، حدیثوں کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول بنائے، کھرے کو کھوٹے سے ممتاز کیا، ایک طرف اصول روایت کے اعتبار سے حدیثوں کی تنقیح کی، دوسری طرف ہزاروں لاکھوں راویوں کے احوال کی جانچ پڑتال کی، تیسری طرف درایت کے اعتبار سے حدیثوں پر نقد کیا، اور اس طرح سنت رسول کے متعلق ایک ایسا ذخیرہ فراہم کر دیا جس کے برابر مستند اور معتبر ذخیرہ آج دنیا میں گذشتہ زمانے کے کسی شخص اور کسی عہد کے متعلق موجود نہیں ہے۔ منکرین حدیث کو

آزادی ہے کہ ان کی ساری محنتوں پر بیک جنبش قلم پانی پھیر دیں۔ منکرین حدیث کو اختیار ہے کہ دین کے ان سچے خادموں کو وضاع حدیث، پرور دگان عجم، زلہ ربایان بنی امیہ و بنی عباس اور جو کچھ چاہیں کہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ مسلمانوں پر ان محدثین کا اتنا بڑا احسان ہے کہ وہ قیامت تک اس کے بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ یہ انہی عاشقان رسول کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے عہد کی پوری تاریخ اپنے جزئیات کے ساتھ موجود ہے، اور وسائل بھی ہمارے پاس موجود ہیں جن سے ہم حدیث کے ذخیرہ کی جانچ پڑتال کرکے آج بھی واقعات کی صحیح صحیح تحقیق کر سکتے ہیں۔ یہ وہ ذخیرہ ہے جس پر مسلمان تمام دنیا کی قوموں کے مقابلے میں اگر فخر کریں تو بجا ہوگا۔

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ بجز متواتر روایات کے (جو بہت کم ہیں) باقی جتنی احادیث ہیں، یقینی نہیں ہیں۔ ان سے علم یقین حاصل نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ سے زیادہ ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ پھر ایسی ظنی چیزوں پر مذہب کا مدار رکھنا کیا معنی؟ ہم کہتے ہیں کہ مشاہدۂ عینی اور تجربۂ حسی کے سوا دنیا میں کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جو مفید یقین ہو سکتا ہو۔ تواتر کو بھی محض اس قیاس کی بنا پر یقینی سمجھا جاتا ہے کہ بہت سے آدمیوں کا جھوٹ پر متفق ہو جانا مستبعد ہے لیکن خبر متواتر کے لئے جو شرائط ہیں وہ بہت کم ایسی خبروں میں پائی جاتی ہیں جن پر تواتر کا گمان ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر امور غیب میں خواہ وہ زمانۂ ماضی سے تعلق رکھتے ہوں یا حال سے، ہمارے علم اور ہمارے فیصلوں کا مدار اسی ظن غالب پر ہے جو کم از کم دو شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ خود قرآن نے اس ظنی شہادت کو اتنا معتبر قرار دیا ہے کہ اس کی بنا پر ایک مسلمان کا خون مباح ہو سکتا ہے، درآں حالیکہ مسلمان کا خون اتنا محترم ہے کہ جو کوئی مسلمان کو عمداً قتل کر دے اسے خلود فی النار کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح زنا، قذف اور سرقہ کی حدود میں بھی ایسے اہم فیصلوں کا مدار صرف دو یا چار شہادتوں پر رکھا گیا ہے جن سے ایک مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا جا سکتا ہے،

یا ایک مسلمان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جاسکتے ہیں۔ پس جب قرآن مجید میں غیر متواتر شہادتوں ہی پر پورے نظام عدل کی بنیاد رکھی گئی ہے تو قرآن کے مقابلہ میں کس مسلمان کو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ کسی حدیث کو حدیث رسول مان لینے کے لئے ہر مرتبۂ اسناد میں دو یا چار راویوں کا ہونا کافی نہیں ہے؟ البتہ راویوں میں ہم ہر راوی پر اعتبار نہ کریں گے جس طرح شاہدوں میں سے ہر شاہد پر اعتبار نہیں کرتے ہیں۔ ہم حکم قرآن کے بموجب "ذَوَا عَدْلٍ" کی شرط لگاتے ہیں، اور اسی کی تحقیق کے لئے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا گیا ہے، تاکہ راویوں کے حالات کی تحقیق کی جائے۔ اسی طرح ہم راویوں پر جرح بھی کریں گے کہ حدیث کے جوہری نکات میں ان کے درمیان ایسا اختلاف تو نہیں ہے جو ان کے بیان کی صحت کو مشکوک کر دیتا ہو؟ اسی طرح ہم درایت سے بھی کام لیں گے جیسے ایک قاضی مقدمات میں درایت سے کام لیتا ہے۔ مگر جس طرح شاہدوں کے بیانات کا جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اسی طرح درایت بھی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ حدیث کو اصول درایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصول اولیہ کو خوب سمجھ لیا ہو، اور جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہونچائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس ہو جاتا ہے، اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے۔ پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟ پھر جس طرح ایک معاملہ میں دو قاضیوں کا اجتہاد مختلف ہوتا ہے، اور جس طرح قرآن مجید کے معانی میں دو فاضلوں کی تفسیریں مختلف ہو سکتی ہیں، اسی طرح دو محدثوں کی درایت میں بھی اختلاف ممکن ہے۔ خدا نے ہمکو انسانی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف نہیں قرار دیا ہے۔ اختلاف رائے انسانی فطرت کا مقتضیٰ ہے، اور اس کی وجہ سے نہ قرآن چھوڑا جا سکتا ہے، نہ حدیث اور نہ عدالت کی

کرسی۔ پس ایک حدیث کے متعلق جس حد تک تحقیق انسان کے بس میں ہے، اس کا سامان محدثین نے فراہم کر دیا ہے۔ ہمارا کام اس سامان سے فائدہ اٹھا کر صحیح کو غلط سے ممتاز کرنا اور صحیح کا اتباع کرنا ہے، نہ یہ کہ صحیح و غلط کے اختلاط کو دیکھ سرے سے رسالت ہی سے قطع تعلق کر لینا۔

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو صرف تاریخ کی حیثیت سے لیں گے، حجت شرعی نہ بنائینگے مگر کیا ان حضرات نے رسولؐ کی تاریخ کو سکندر اور نپولین کی تاریخ سمجھا ہے کہ اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو؟ کیا وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اس انسان کی تاریخ ہے جس کا اتباع فرض ہے جس کی اطاعت پر نجات کا مدار ہے، جس کی سیرت مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہے؟ اس ذات پاک کی تاریخ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی۔ یا صحیح ہوگی یا غلط۔ اگر غلط ہے تو اس کو لینا کیا معنی نذر آتش کر دیجئے؟ رسول پر بہتان اور آپ اس کو تاریخ کی حیثیت سے قبول کریں؟ اور اگر وہ صحیح ہے تو اس کا اتباع فرض ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے اس کی پیروی سے آپ بچ کہاں سکتے ہیں؟ (باقی)۔

---